معذور سے معذور احمدی بھی خدمتِ دین میں ارادۂ نیک اور دُعا کے ذریعہ حصہ لے سکتا ہے

(فرمودہ ۲۸؍فروری ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے تحریک جدید کے سلسلہ میں ۱۹۳۴ء میں جو امور جماعت کے سامنے پیش کئے تھے وہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں سب بیان ہو چکے ہیں سوائے اس کے جسے میں نے اُنیسواں مطالبہ قرار دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا کے تمام انسانوں کیلئے بنایا ہے اور ہر انسان کو اس کی خدمت اور اس کی اعانت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور ہر انسان کو اُن انعامات کا حصہ دار قرار دیا ہے جو انعامات اسلام کی اعانت اور اس کی تائید کی وجہ سے انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں مگر بہت سی تجویزیں اور بہت سی تحریکیں اور بہت سی تدبیریں جو اسلام کی ترقی کیلئے کی جاتی ہیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر انسان ان میں حصہ نہیں لے سکتا۔ مثلاً مالی تحریک ہے دنیا میں کئی انسان ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پاس مال نہیں رکھتے اور اس وجہ سے مالی تحریکات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ یا کئی جانی تحریکیں ہیں کہ جن میں ہر انسان حصہ نہیں لے سکتا۔ کوئی معذور ہوتا ہے، کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی لولا لنگڑا ہوتا ہے اور کوئی بوڑھا ہوتا ہے۔ غرض کئی قسم کی معذوریاں ایسی ہوتی کہ ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ جسمانی خدمات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ پھر کئی فنی باتیں ہوتی ہیں اور اہلِ فنون ہی ان میں حصہ لے سکتے ہیں دوسرے ان میں حصہ لینے سے محروم رہتے ہیں۔ مثلاً زخمیوں کی مرہم پٹی

ہے اگر کسی وقت اس خدمت کا موقع ملے تو اس میں ایسے ہی مرد اور عورتیں حصہ لے سکتی ہیں جنہیں مرہم پٹی کرنا آتا ہو، یا اگر کسی وقت آہن گری کے علم کی ضرورت پڑے تو آہن گر ہی کام آ سکتا ہے، یا نجّاری کے متعلق ضرورت محسوس ہو تو نجّار ہی کام آئے گا دوسرے لوگ نہیں، یا اگر معماری کے سلسلہ میں بعض لوگوں کی خدمت کی ضرورت ہو تو معمار ہی قربانی کر سکتا ہے دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔ پس باوجود تمام کوششوں اور نیک ارادوں کے پھر بھی بنی نوع انسان کا ایک حصہ ایسا رہ جاتا ہے جو جانی یا مالی یا فنی خدمات میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوتا اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم جو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہے جس میں غریب بھی شریک ہیں اور امیر بھی، بڑے بھی شریک ہیں اور چھوٹے بھی، معذور بھی شریک ہیں اور غیر معذور بھی، عورتیں بھی شریک ہیں اور مرد بھی، بچے بھی شریک ہیں اور بوڑھے بھی، اس اسلام کے کسی حکم پر جو لوگ لَبَّیْکَ کہنے سے معذور ہوں وہ کیا کریں؟ جب اسلام مالی تحریک کیلئے بلائے تو غرباء کیا کریں؟ جب جسمانی تائید کیلئے بلائے تو اپاہج کیا کریں؟ جب کھُلے میدانوں میں کام کرنے کیلئے بلائے تو عورتیں کیا کریں؟ جب طاقت وقوت کا مظاہرہ چاہئے تو اس وقت بچے اور بوڑھے اور بیمار کیا کریں؟ اور جس وقت علم کی استمداد چاہئے اس وقت جاہل اور اَن پڑھ کیا کریں؟ غرض کوئی علاج اسلام میں ایسا بھی ہونا چاہئے اور کوئی تدبیر اس قسم کی بھی ہونی چاہئے کہ ہر شخص جو مسلمان کہلاتا ہے چاہے وہ کسی حالت میں پڑا ہؤا ہو اپنے ربّ کی آواز پر لَبَّیْک کہہ سکے اور اپنی طاقت وقوت کے مطابق اس میں حصہ لے سکے تا بنی نوع انسان میں سے کوئی انسان ایسا نہ ہو جو یہ کہہ سکے کہ اے خدا! تیری آواز دوسروں کیلئے تو تھی مگر میرے لئے نہیں تھی، اور تا کوئی ایسا بندہ نہ ہو جسے خدا تعالیٰ کہے کہ تُو میرے دین کی خدمت نہیں کر سکتا تھا؟ پس نہ بندے کیلئے موقع ہونا چاہئے کہ وہ حسرت کا اظہار کرے اور کہے کہ میں دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہمارا خالق اپنے کسی بندے سے کہے کہ تُو میرے دین میں کسی مَصرف کا نہ تھا۔ ہمارا خدا ربّ العالمین ہے اور ربّ العالمین کی آواز تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ چاہے وہ کمزور ہو یا طاقتور، جوان ہوں یا اُدھیڑ عمر کے، بچے ہوں یا بوڑھے، عالم ہوں یا جاہل، پھر خواہ وہ فنون سے واقفیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، مال رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں اور بنی نوع انسان میں سے ہر شخص کے اندر کوئی نہ کوئی ایسی طاقت

ہونی چاہئے جس سے خدمتِ دین میں کام لے کر وہ فخر کر سکے اور کہہ سکے کہ میں نے بھی اپنے ربّ کی آواز کو سنا اور اس کا جواب دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے انتہاء رحم کرنے والا ہے اور وہ اپنے رحم سے جس کو چاہے بخش دے کون اُس کے ہاتھ کو روک سکتا ہے۔ اگر وہ فیصلہ کر دے کہ نمرود اور شداد اور فرعون کو جنت میں داخل کر دیا جائے تو کون اسے روک سکتا ہے۔ یا فیصلہ کر دے کہ عتبہ یا شیبہ اور ابوجہل کو معاف کر دیا جائے تو کون اسے منع کر سکتا ہے۔ وہ مالک اور آقا ہے کون ہے جو اس پر اعتراض کرے، کون ہے جو اس کے ہاتھ کو روک سکے۔ پس وہ ان بوڑھوں، اپاہجوں، کمزوروں، ناطاقتوں اور جاہلوں کو اپنے فضل سے جنت میں لے جا سکتا ہے جنہیں اس کے دین کی خدمت کرنے کا کوئی موقع نہ ملا ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں کیا احساس ہوگا۔ بے شک ایک رنگ میں سب ہی خدا تعالیٰ کے فضل سے نجات پائیں گے۔

رسول کریم ﷺ نے بھی اہل بیت میں سے ایک کے سوال پر فرمایا تھا کہ میری نجات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے [1] یہ سب سچ ہے مگر ایک فضل اعمال کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ایک بغیر اعمال کے فضل ہوتا ہے۔ ایک مؤمن کا جنت میں جانا اور ایک کافر کا جنت میں جانا دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہیں مگر ان دونوں میں بہت بڑا فرق بھی ہے۔ ایک مؤمن کی گردن فخر سے اونچی ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے میں نے اپنے ربّ کی آواز کو سنا اور اس پر حتَّی المقدور عمل کرنے کی کوشش کی اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا اور جنت میں داخل کر دیا مگر کافر کی گردن شرم سے نیچی ہوتی ہے وہ کہتا ہے میں نے اپنے ربّ کی آواز کو سنا اور اس کا انکار کیا مگر پھر بھی اپنے فضل سے مجھے جنت میں داخل کر دیا۔ پس گو نتیجہ ایک ہے مگر دونوں کے ذرائع میں فرق ہے اور دونوں کے احساسات اور جذبات میں فرق ہے۔ یہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے کہ تم ایک ہی دستر خوان پر اپنے بچے کو بٹھاؤ اور اسی پر ایک فقیر کو بٹھا دو۔ بے شک کھانا ایک ہوگا مگر تمہارا بچہ جب کھانا کھا رہا ہوگا تو گو وہ سمجھے گا کہ مجھ پر میرے باپ کا احسان ہے مگر وہ ساتھ ہی کہے گا میرا حق بھی ہے کہ میں کھاؤں لیکن وہی کھانا فقیر کھائے گا اور کہے گا میرا حق تو نہیں صرف اس کی نوازش ہے جس نے مجھے اپنے دستر خوان پر بٹھا لیا۔ تو چیز ایک ہے، نظارہ ایک ہے، مزہ ایک ہے لیکن احساس اور جذبات مختلف ہیں۔ اسی طرح بے شک یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس اپاہج، اس

جاہل، اس غریب اور اس کمزور کو بھی جنت میں لے جا سکتا ہے جس نے دین کی کوئی خدمت نہ کی ہو مگر سوال یہ ہے کہ وہ اپنے دوسرے مؤمن بھائیوں کے سامنے گردن کس رنگ میں اُٹھائے گا۔ ایک مؤمن جس نے تمام عمر جہاد میں گزار دی اور مرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کیا وہ کہے گا میں بے شک کمزور ہوں مگر خدا تعالیٰ نے مجھے جس قدر طاقتیں دیں ان کے مطابق میں نے اس کی راہ میں کام کیا اور اس نے مجھے جنت میں داخل کر دیا۔ ایک مؤمن جس نے دنیا میں مالی قربانی کی اور مرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے اسے جنت دے دی وہ کہے گا کہ میں بالکل کمزور تھا اور مال خدا تعالیٰ کا ہی عطا کردہ تھا مگر اُسی کی توفیق کے ماتحت میں نے وہ مال اس کی راہ میں خرچ کیا اور خدا تعالیٰ نے مجھے جنت دے دی۔ ایک اہلِ فن اور حرفہ جس نے دین کی خدمت کیلئے اپنی فنّی زندگی وقف کر دی اور مرنے کے بعد جنت میں داخل ہؤا وہ کہے گا میں بے شک کچھ نہیں کر سکتا تھا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اُس نے مجھے فن اور حرفہ سکھایا مگر میں ان سے تو اچھا رہا جنہیں خدا تعالیٰ نے فن اور حرفہ سکھایا اور انہوں نے اپنے ربّ کی آواز بھی سنی مگر اس پر عمل نہ کیا میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے خرچ کر دیا اور جو فن آتا تھا اس سے دین کی خدمت کر دی۔ مگر جو مؤمن نہ اپنے پاس مال رکھتا تھا کہ مالی خدمت کرتا، نہ طاقت رکھتا تھا کہ جسمانی خدمات بجالاتا اور جہاد کرتا، نہ علم رکھتا تھا کہ تبلیغ کر سکتا، وہ مؤمن جس کو ایمان تو نصیب ہوا لیکن زبان نصیب نہ ہوئی کہ اس سے کام لے، وہ مؤمن جسے ایمان تو نصیب ہؤا مگر ہاتھ نصیب نہ ہوئے کہ ان سے کام لے، وہ مؤمن جسے ایمان تو نصیب ہؤا لیکن پاؤں نصیب نہ ہوئے کہ ان سے خدا تعالیٰ کی راہ میں کام لے سکے بے شک وہ جنت میں داخل ہو جائے لیکن بتاؤ وہ کیا کہے گا؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ میرے ربّ نے مجھے انسان تو بنایا لیکن انسانی کاموں کی توفیق نہ دی اور اب مجھے جنت میں لے تو آیا ہے مگر جنت کے حصول کے کاموں میں میرا کوئی حصہ نہیں۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا خدا جو غیور خدا ہے جو اپنے بندوں پر انتہائی رحم و شفقت کرنے والا ہے اس نے بندوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا ہوگا اور ان کی اس حسرت کا کوئی علاج نہ کیا ہوگا؟

میں نے ۱۹۳۴ء میں بتایا تھا کہ ہمارے خدا نے ایک تدبیر بتائی ہوئی ہے جس سے وہ اپاہج جو ہاتھ نہیں ہلا سکتے، وہ گونگے جن کی زبان نہیں، وہ غریب جن کے پاس مال نہیں، وہ کمزور

اور نحیف جو چار پائی سے اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے، وہ سب اُس وقت تک کہ وہ انسان کہلاتے ہیں اور انسان رہتے ہیں ویسی ہی دین کی خدمت کر سکتے ہیں جیسے وہ تندرست جو جہاد میں شامل ہوتے ہیں اور جیسے وہ مجاہد جو دین کی خدمت کیلئے اپنے ملکوں سے باہر جاتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ وہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ ارادۂ نیک اور دعائے اضطرار اعمالِ حسنہ میں سے ایک بہت بڑا عمل ہے۔ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہاتھ پاؤں کا ہلانا ہی عمل ہے مگر قرآن مجید نے دنیا کے سامنے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ دل کا مستقل ارادہ بھی عمل ہے اور دعا بھی عمل ہے۔

چنانچہ رسول کریم ﷺ جب ایک جہاد میں تشریف لے گئے جس میں مسلمانوں کو بہت سی دقتیں پیش آئیں تو آپ کو محسوس ہوا کہ بعض صحابہ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ انہوں نے دین کی خدمت دوسروں سے نمایاں طور پر کی ہے اس پر آپؐ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کچھ لوگ مدینہ میں ایسے رہتے ہیں کہ تم کسی وادی میں سے نہیں گزرتے اور کوئی تکلیف خدا تعالیٰ کے رستہ میں برداشت نہیں کرتے مگر جس طرح تمہیں ثواب ملتا ہے اسی طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب مل رہا ہے۔ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ کیونکر ہم اسلام کی خدمت کیلئے باہر نکلے ہوئے ہیں، خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو قربان کر کے طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں اور وہ مدینہ میں آرام سے بیٹھے ہیں پھر وہ اسی ثواب کے مستحق کیونکر ہو سکتے ہیں جس کے ہم ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے مگر جن کا مَیں ذکر کر رہا ہوں وہ وہ معذور لوگ ہیں کہ اگر ان کے ہاتھ پاؤں ہوتے تو وہ بھی جہاد کیلئے نکلتے، اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرتے، اگر ان کے پاس طاقت ہوتی تو وہ بھی اس سے کام لے کر خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے مگر ان کے پاس کچھ نہیں وہ معذور ہیں اور اپنی معذوری کو دیکھ کر ان کے دل مدینہ میں بیٹھے خون ہو رہے ہیں اور کہتے ہیں کاش! ہمارے پاس مال ہوتا، کاش! ہمارے پاس طاقت ہوتی تو آج ہم بھی جہاد کرتے۔ پس وہ خدا تعالیٰ کے حضور تم سے کچھ کم ثواب کے مستحق نہیں بلکہ ویسے ہی ثواب کے مستحق ہیں جیسے تم ہو اور گو ان کے پاس سامان نہیں مگر ان کا ارادہ یہی ہے کہ اگر سامان ہوتا تو ہم اس سے کام لے کر خدا تعالیٰ کی راہ میں

نکل کھڑے ہوتے ۲؎ ۔پس ان کا ارادہ خود عمل ہے اور وہ بھی ویسے ہی ثواب کا مستحق ہے جیسے اور انسانی اعمال ۔حقیقت یہ ہے کہ نیک ارادہ، نیک عمل سے مشکل ہوتا ہے۔تم نیک عمل منافقت سے کر سکتے ہو مگر تم نیک ارادہ منافقت سے نہیں کر سکتے ۔ایک کمزور سے کمزور انسان منافقت کے ساتھ نیک عمل کرسکتا ہے مگر ایک طاقتور سے طاقتور انسان منافقت کے ساتھ نیک ارادہ نہیں کرسکتا۔پس ارادے کی طاقت عمل سے زیادہ ہوتی ہے تم عمل کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہو لیکن ارادہ کو اُس وقت تک اپنی مرضی کے مطابق نہیں ڈھال سکتے جب تک تم اپنے ذہن میں اس ارادہ کے مطابق تبدیلیاں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو جاؤ۔ پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہاتھ پاؤں کا عمل زیادہ قیمتی شے ہے اور دل کا عمل بے حقیقت شے ہے۔خصوصاً جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل ارادے کے تابع ہے ۔ جب ارادہ طاقت پکڑ لیتا ہے تو جس میں قوتِ عمل نہ ہو اس سے بھی اپنے منشاء کے مطابق عمل کرالیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۳؎ یعنی عمل نیتوں کے تابع ہوتے ہیں۔جیسے جیسے نیت بدلتی جاتی ہے اس کے مطابق اعمال کی شکل بھی تبدیل ہوتی چلی جاتی ہے اور ایک ہی کام جو ایک کیلئے ترقی اور روحانی بلندی کا موجب ہوتا ہے نیت کے بدل جانے کی وجہ سے دوسرے کیلئے ذلّت اور رُسوائی کا موجب بن جاتا ہے۔

چنانچہ دیکھ لو وہ نماز جو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے، وہ نماز جو الٰہی محبت میں بیتاب ہوکر جب ادا کی جاتی ہے تو انسان کو خدا تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے۔ وہی نماز ایک دوسرے وقت میں دوسرے انسان کیلئے باوجود یکہ نماز کی وہی شکل رہتی ہے، عبارتیں وہی پڑھی جاتی ہیں، وقت اتنا ہی خرچ کیا جاتا ہے بلکہ زیادہ کیونکہ اس میں رِیاء کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے دُکھ اور عذاب کا موجب بن جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۴؎ کہ ایک نمازی ایسے ہوتے ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا عذاب ہوتا ہے تو نیتوں کی تبدیلی کی وجہ سے انسانی اعمال کی شکل بالکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ایک ڈاکٹر بھی مریض کے جسم میں چاقو مارتا ہے اور ایک قاتل بھی چاقو مارتا ہے مگر ایک کو تم فیس دیتے اور دوسرے کو پھانسی کی سزا دلوانے کی کوشش کرتے ہو۔ مارتے دونوں چاقو ہیں مگر ایک کے تم ممنونِ احسان ہوتے ہو اور دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہو اِس کی کیا

وجہ ہے؟ اِس کی یہی وجہ ہے کہ اِن دونوں کے پیچھے مختلف ارادے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ایک کا ارادہ شِفا دینے کا ہوتا ہےاور دوسرے کا ارادہ چاقو مار کر ہلاک کرنا ہوتا ہے۔

پس اعمال ہمیشہ ارادہ کے تابع ہوتے ہیں اور جب کوئی خدمتِ دین کا پختہ ارادہ کرتا ہے اور ہر وقت یہ خیال اُس کے دل پر غالب رہتا ہے کہ کاش! اُس کو توفیق ملتی اور وہ بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح خدمتِ دین کرسکتا لیکن سامانوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس ارادہ کو عملی صورت میں ظاہر نہیں کرسکتا تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے حضور ویسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے خدمت دین کرنے والا اور یہ نیک ارادہ اُسے دوسرے سے پیچھے نہیں کرتا بلکہ ان کے برابر رکھتا اور خدا تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس قسم کے ارادہ کو عمل سمجھتا ہے بلکہ اعمال میں بہت بڑا عمل قرار دیتا ہے۔ جو شخص مضبوط ارادہ دین کی خدمت کا رکھتا ہے وہ ویسا ہی جیسے خدمتِ دین عملی صورت میں کرنے والا بشرطیکہ ارادہ کے ساتھ عمل کی قوت اُس میں نہ ہو۔اور اگر عمل کی قوت تو ہو لیکن صرف ارادے پر اکتفا کرے تو وہ منافق ہے اور اس قسم کا ارادہ بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جذب کرنے کے اس کے عذاب کا موجب بن جاتا ہے۔لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ارادہ اور خیال میں فرق نہیں کرتے حالانکہ خیال اور چیز ہے اور ارادہ اور چیز۔لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جب ان کے دل میں کوئی نیک خیال پیدا ہو تو وہی ارادہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ اس دھوکا میں آسکتے ہیں کہ گویا ان کے نیک ارادے ہیں حالانکہ وہ ارادے نہیں بلکہ خیالات ہوتے ہیں اور خیال اور ارادہ میں وہی فرق ہوتا ہے جو ایک باپ اور اجنبی آدمی کے احساسات میں اُس وقت فرق ہوتا ہے جب وہ بچہ کو دیکھتے ہیں۔ بچہ وہی ہوتا ہے، ہاتھ پاؤں اس کے وہی ہوتے ہیں، خدوخال وہی ہوتا ہے لیکن جب اسے باپ دیکھتا ہے تو اس کے دل میں اور قسم کے احساسات پیدا ہوتے ہیں اور جب اجنبی دیکھتا ہے تو اَور قسم کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ دونوں کے دل میں بچہ کو دیکھ کر خیال تو پیدا ہوتا ہے مگر ایک ادنیٰ خیال ہوتا ہے اور ایک اعلیٰ۔اسی طرح ارادہ اور خیال میں فرق ہے۔ارادہ اس قوت کو کہتے ہیں جس کے ماتحت اعمال صادر ہوتے ہیں اور خیال اس علم کو کہتے ہیں جو کسی کے متعلق حاصل ہو۔تمہارے دل میں ہزاروں بار ایک چیز کا خیال آسکتا ہے بغیر اس کے کہ تم اس کا ارادہ کرو اور گو ارادہ سے خیال جدا نہیں ہوتا لیکن خیال سے

ارادہ بسا اوقات جدا ہوتا ہے اور خیال بغیر ارادہ کے علم کی ایک کیفیت ہے اور ارادہ علم اور عمل دونوں کا جامع ہے۔ گویا وہ مقام جس میں علم اور عمل باہم ملتے ہیں اور جب انسان یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں نے فلاں کام کرنا ہے اور اپنا قلب اور اس کا تمام ماحول اس کیلئے لگا دیتا ہے اس کو ارادہ کہتے ہیں اور اس طرح ارادہ، اعمال کا خالق ہوتا ہے مگر محض خیال عمل کا خالق نہیں ہوتا۔ یہی چیز ہے کہ جب مذہبی امور کے متعلق ہو تو اسے ایمان کہتے ہیں ایمان خیال کا نام نہیں۔ ہزاروں ہندو ہیں جو رسول کریم ﷺ کو سچا سمجھتے ہیں، ہزاروں عیسائی ہیں جو رسول کریم ﷺ کو سچا سمجھتے ہیں، ہزاروں سکھ ہیں جو رسول کریم ﷺ کو سچا سمجھتے ہیں مگر تم نہیں کہتے کہ وہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ صداقت کا محسوس کر لینا علم ہے ایمان نہیں۔ ایمان اُس حالت کو کہتے ہیں جب انسان اس کے تابع ہو اور وہ اپنے نفس کو کُلّیۃً اسی طرف لگا دے اور زندگی کو اس ایمان کے طریق پر ڈھال لے۔ پس خالی صداقت کا قائل ہونا ایمان نہیں بلکہ یقین کے اس مرتبہ کو پہنچ جانا کہ اعمال آپ ہی آپ اس کے مطابق ڈھلتے جائیں ایمان کہلاتا ہے۔ بے شک کمزور حالت میں ایمان مخفی بھی ہو سکتا ہے مگر اس مخفی ایمان کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ عمل مخفی کرتا ہے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ عمل کرتا ہی نہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آلِ فرعون میں سے ایک شخص کے متعلق آتا ہے کہ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ [5] وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اس کے صرف یہ معنی نہیں کہ وہ دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا سمجھتا تھا بلکہ یہ ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا صرف اعمال اس کے ظاہر نہ تھے لیکن ایمان دراصل عمل کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔ لیکن اس ایمان سے حقیقی ایمان مراد ہے رسمی ایمان مراد نہیں۔ ایک ایمان نام کا ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہوتے [6]۔ لیکن چونکہ ظاہری طور پر وہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، قرآن مجید پر ایمان رکھنے کا اِدّعا کرتے ہیں اس لئے ظاہری شکل کی وجہ سے ہم اسے ایمان کہہ دیتے ہیں حقیقت کی رو سے نہیں۔ جیسے مٹی کے بنے ہوئے آم، یا مٹی کے بنے ہوئے سنگترے کو بھی ہم آم اور سنگترہ ہی کہتے ہیں اگرچہ ان میں آم اور سنگترہ کی حقیقت نہیں ہوتی۔ پس چونکہ انسان کے نیک ارادے اور نیک خیال میں امتیاز مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ امتیاز عمل سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیک ارادہ کے ماتحت انسان سے آپ ہی آپ اس کے مطابق عمل بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے

لیکن نیک خیال کے ماتحت عمل کا پیدا ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔ پس نیک ارادہ اور نیک خیال میں یہی فرق ہے کہ نیک بات کے متعلق خیال پیدا ہو کر بھی عمل کی حالت ابھی بہت دور ہوتی ہے لیکن نیکی کے ارادہ کے بعد ساتھ ہی عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک نے صرف خیالات تک اپنے آپ کو محدود رکھا اور دوسرے نے عمل بھی شروع کر دیا۔

مگر بہرحال یہ سوال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ وہ کمزور اور بے کس جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی آواز پر لَبَّیْکَ کہنے کی توفیق دی مگر سامانوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ کوئی خدمتِ دین کا کام نہیں کر سکتے ان کیلئے کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے ان کی عملی قوت برقرار رہے اور وہ بھی کہہ سکیں کہ ہم نے بھی خدا تعالیٰ کے دین کی لئے جو طاقتیں ہمیں میسر تھیں لگا دیں۔ وہ عمل جیسا کہ میں نے گزشتہ سال بتایا تھا دعا ہے۔ دعا ان اعمال میں سے ہے جس کیلئے کسی مال کی ضرورت نہیں، کسی علم کی ضرورت نہیں، کسی فن کی ضرورت نہیں، کسی طاقت وقوت کی ضرورت نہیں، اگر کسی کے ہاتھ نہیں کہ وہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کر سکے، اگر کسی کی کمر میں ہِلنے جُلنے کی طاقت نہیں کہ وہ چارپائی سے اُٹھ کر نماز کی حرکات ادا کر سکے تب بھی وہ دعا کر سکتا ہے کیونکہ دُعا ان چیزوں کی محتاج نہیں بلکہ اگر اس کی پیٹھ اکڑ گئی ہے تو وہ لیٹا رہے اور دعا کرے۔ اگر اس کی زبان پر فالج گِرا ہوا ہے اور وہ دعا کیلئے اپنی زبان نہیں ہِلا سکتا تو دماغ میں دعائیہ فقرات کو دُہرائے۔ اور اگر اس کا دماغ بھی جاتا رہے تو پھر وہ انسانیت سے نکل گیا۔ ایسا انسان زندوں کی بجائے وفات یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اُس کا زمانۂ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک ایک انسان دنیا میں رہتا ہے اور انسانیت کی حدود سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اُس وقت تک معذور سے معذور انسان بھی عمل کر سکتا ہے اور وہ دعا کا عمل ہے۔ اسے خدا تعالیٰ نے باقی اعمال سے کم حیثیت نہیں دی بلکہ یقیناً زیادہ حیثیت دی ہے۔ سارے قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اگر تم جہاد کرو گے تو میں تمہارے پاس ضرور آ جاؤں گا، سارے قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اگر تم نماز پڑھو گے تو میں تمہارے پاس ضرور آ جاؤں گا، سارے قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں کہا کہ اگر تم روزہ رکھو گے تو میں ضرور تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ غرض کسی عمل کے متعلق قرآن کریم میں یہ نہیں لکھا کہ اس کے نتیجہ میں ضرور خدا تعالیٰ کا قُرب انسان کو حاصل ہو جاتا ہے مگر ایک عمل ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ

نے کہا ہے کہ اگر کوئی وہ عمل کرے تو میں ضرور اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں اور وہ دعا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ۔وہ کونسی ہستی ہے جو بندہ کی دعائے مضطر سن کر بے تاب ہو کر اُس کے پاس آ جاتی ہے؟ فرمایا وہ میں ہوں۔ تو یہ عمل سب اعمال سے زیادہ طاقتور ہے کیونکہ طاقتور دراصل وہی عمل ہے جس میں سب بنی نوع انسان شامل ہوں اور جو عمل تمام روئے زمین کے انسانوں کو مساوات کے میدان میں لے آئے۔ نماز میں امتیاز ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے ایک شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دوسرا بیٹھ کر، روزہ میں امتیاز ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے ایک شخص میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو مگر دوسرے میں نہ ہو، تبلیغ میں امتیاز ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے ایک کو تبلیغ کرنی آتی ہو اور دوسرے کو نہ آتی ہو یا وہ علم نہ رکھتا ہو یا تبلیغ کی طاقت نہ رکھتا ہو، اسی طرح جہاد، تربیت اور لین دین کے معاملات میں امتیاز نظر آ جائے گا اور وہ مجبوری کا امتیاز ہو گا مگر دعا میں مجبوری کا کوئی امتیاز نہیں ہاں مرضی کا امتیاز ہو سکتا ہے۔ لیکن بہر حال دعا ایک ایسی چیز ہے کہ وہ گونگا جس کی زبان نہیں، وہ بہرہ جس کے کان نہیں، وہ مفلوج جس کے جسم کی حِس ماری گئی ہو اور گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر چارپائی پر پڑا ہوا ہو وہ بھی اُسی جوش و خروش سے اپنے ربّ کے حضور دعا کا ہدیہ پیش کر سکتا ہے جس طرح ایک تندرست اور طاقتور انسان اور اس عمل میں بنی نوع انسان میں قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔ ایک چارپائی پر پڑا ہوا بے حس انسان بھی جس میں حرکت کرنے کی تاب نہیں اپنے خدا کے حضور دعا کے ذریعہ عقیدت کا ہدیہ پیش کر سکتا ہے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کے فضلوں کو اسی طرح جذب کر سکتا ہے جس طرح اور انسان جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور احکامِ اسلامی پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

پس دعا وہ چیز ہے جس نے دنیا کے تمام چھوٹوں اور بڑوں اور امیروں اور غریبوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیاء نے کہا اسلام دُعا کا نام ہے اور دُعا اسلام ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام دنیا میں مساوات قائم کرنے کیلئے آیا ہے مگر وہ کونسا عمل ہے جو سب کو مساوات بخشتا ہے۔ نماز سب میں مساوات قائم نہیں کرتی کیونکہ عورتوں پر کچھ دن ایسے آتے ہیں جب وہ نماز کی ادائیگی سے معذور ہو جاتی ہیں۔ پھر جب انسان بوڑھا ہو جائے تو کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا اور زیادہ کمزور ہو جائے تو مسجد میں نماز کیلئے نہیں آ سکتا۔ اسی طرح حج ہے، زکوٰۃ

ہے، صدقہ ہے اور اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو خدا تعالیٰ نے انسان کی بہتری کیلئے دیئے اور ہمیں ان سے مالا مال کیا۔ مگر کوئی عمل ایسا نہیں جو سب کو ایک مقام پر لے آئے اور حقیقی مساوات قائم کر کے دکھلائے سوائے نیک ارادہ یا دعا کے یا مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہ کہو کہ سوائے ایمان اور دعا کے۔ کیونکہ اسی چیز کا نام مذہبی اصطلاح میں ایمان بن جاتا ہے جسے دُنیوی اصطلاح میں نیک ارادہ کہتے ہیں۔ قوتِ ارادی جب خدا تعالیٰ کے تابع ہو جائے تو وہ ایمان بن جاتی ہے لیکن جب آزاد ہو تو صرف ارادی قوت کہلاتی ہے جیسے خواہش جب انسان کے تابع ہو تو محض خواہش کہلاتی ہے لیکن جب خدا تعالیٰ کے تابع ہو تو دعا کہلاتی ہے۔ یہ دو چیزیں مل کر دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر سکتی ہیں، یہ زمین و آسمان کو ہِلا سکتی ہیں۔ دنیا دار لوگوں نے اس قوت سے کام لیا اور اس کا نام انہوں نے مسمریزم، ہپناٹزم اور میجک (MAGIC) رکھا اور اس کیلئے انہوں نے بڑی بڑی مشقیں کیں مگر وہ سب دُنیوی چیزیں ہیں اور حقارت کے قابل ہیں لیکن جس وقت یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے دین کے رنگ میں رنگین ہو جاتی ہیں انہیں ایمان اور دعا کہتے ہیں اور ان سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔

علمِ توجہ کیا ہے؟ وہ محض چند کھیلوں کا نام ہے لیکن دعا وہ ہتھیار ہے جو زمین و آسمان کو بدل دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی دعویٰ نہیں کیا تھا صرف براہین احمدیہ لکھی تھی کہ اس کی صوفیاء و علماء میں بہت شُہرت ہوئی۔ پیر منظور محمد صاحب اور پیر افتخار احمد صاحب کے والد صوفی احمد جان صاحب اُس زمانہ کے نہایت ہی خدا رسیدہ بزرگوں میں سے تھے۔ جب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار پڑھا تو آپ سے خط و کتابت شروع کر دی اور خواہش ظاہر کی کہ اگر کبھی لدھیانہ تشریف لائیں تو مجھے پہلے سے اطلاع دیں۔ اتفاقاً اُنہیں دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لدھیانہ جانے کا موقع ملا۔ صوفی احمد جان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت کی۔ دعوت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے گھر سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ صوفی احمد جان صاحب بھی ساتھ چل پڑے۔ وہ رتڑ چھتر والوں کے مرید تھے اور ماضی قریب میں رتڑ چھتر والے ہندوستان کے صوفیاء میں بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے اور تمام علاقہ میں مشہور تھے۔ علاوہ زُہد و اِتقاء کے انہیں علمِ توجہ میں اِس قدر ملکہ حاصل تھا کہ جب وہ نماز

پڑھتے تو ان کے دائیں بائیں بہت سے مریض صف باندھ کر بیٹھ جاتے۔ نماز کے بعد جب وہ سلام پھیرتے تو سلام پھیرنے کے ساتھ ہی دائیں بائیں پھونک بھی مار دیتے جس سے بہت سے مرید اچھے ہو جاتے۔ صوفی احمد جان صاحب نے ان کی بارہ سال شاگردی کی اور وہ ان سے چکی پسواتے رہے۔ راستہ میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں نے اتنے سال رتر چھتر والوں کی خدمت کی ہے اور اس کے بعد مجھے وہاں سے اِس قدر طاقت حاصل ہوئی ہے کہ دیکھئے میرے پیچھے جو شخص آ رہا ہے اگر میں اس پر توجہ کروں تو وہ ابھی گر جائے اور تڑپنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور اپنی سوٹی کی نوک سے زمین پر نشان بناتے ہوئے فرمایا (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی جب آپ پر خاص جوش کی حالت ہوتی تو آہستگی سے اپنی سوٹی کے سر کو اس طرح زمین پر آہستہ آہستہ رگڑتے جس طرح کوئی چیز کُرید کر نکالنی ہو) صوفی صاحب! اگر وہ گر جائے تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا اور اُس کو کیا فائدہ ہوگا؟ وہ چونکہ واقعہ میں اہل اللہ میں سے تھے اور خدا تعالیٰ نے اُن کو دُوربین نگاہ دی ہوئی تھی اس لئے یہ بات سنتے ہی اُن پر محویت کا عالَم طاری ہو گیا اور کہنے لگے میں آج سے اس علم سے توبہ کرتا ہوں مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ دُنیوی بات ہے دینی بات نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ایک اشتہار دیا جس میں لکھا کہ یہ علم اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ چنانچہ کوئی ہندو اور عیسائی بھی اس علم میں ماہر ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میرا کوئی مرید اسے اسلام کا جزو سمجھ کر نہ کرے ہاں دُنیوی علم سمجھ کر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں دُوربین نگاہ دی ہوئی تھی اس کا ہمارے پاس ایک حیرت انگیز ثبوت ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی براہین احمدیہ ہی لکھی تھی کہ وہ سمجھ گئے یہ شخص مسیح موعود بننے والا ہے حالانکہ اُس وقت ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی یہ انکشاف نہیں ہوا تھا کہ آپ کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اُنہی دنوں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک خط میں یہ شعر لکھا

ہم مریضوں کی ہے تمہی پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

یہ امر بتا تا ہے کہ وہ صاحبِ کشف تھے اور خدا تعالیٰ نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ شخص مسیح موعود بننے والا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے پہلے فوت ہوگئے مگر وہ اپنی اولاد کو وصیت کر گئے کہ حضرت مرزا صاحب دعویٰ کریں گے انہیں ماننے میں دیر نہ کرنا۔ اسی تعلق کی بناء پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی شادی ان کے ہاں ہوئی۔

غرض علمِ توجہ ایک دُنیوی چیز ہے زیادہ سے زیادہ لوگ یہ کر لیتے ہیں کہ توجہ سے کسی کے دل میں وہم پیدا کر لیتے ہیں، کسی کو بیہوش کر دیا، بعض ماضی کے اخبارات دریافت کر لئے، بعض حال کے واقعات معلوم کر لئے، معمول کو بے حس اور بے طاقت کر دیا۔ غرض اِس قسم کے افعال علمِ توجہ سے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں مگر دعا کے مقابل اس کی کیا حقیت ہے۔ علمِ توجہ کے اثرات انفرادی ہوتے ہیں مگر دعا کے اثرات انفرادی ہی نہیں بلکہ مجموعی بھی ہوتے ہیں۔ پھر تم نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ علمِ توجہ سے کوئی شخص حکومتوں کا تختہ اُلٹ دے، مذاہبِ باطلہ کو دنیا سے نیست و نابود کر دے مگر دعا کے مقابلہ میں دنیا کی ساری بادشاہتیں مل کر بھی ہیچ اور ذلیل ہو جاتی ہیں اور جب خدا تعالیٰ کا ایک مسکین اور عاجز بندہ اپنی مسکنت کی چادر اوڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ کہتا ہے کہ اے میرے ربّ! تُو میرا خالق اور میں تیرا بندہ ہوں تیرا حق ہے کہ تُو مجھ سے جو چاہے کرے لیکن تیرے بندے مجھ پر کیوں ظلم کرتے ہیں؟ تب خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑکتی اور بڑے بڑے جابر اور ظالم بادشاہوں کا اس طرح تختہ اُلٹ دیتی ہے کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے محلّہ میں شاہی دربار کے بعض آدمی رات کو گانا بجانے کا شغل رکھتے۔ انہوں نے کئی دفعہ سمجھایا کہ لوگوں کی نیندیں اور نمازیں خراب ہوتی ہیں تم اِس شغل کو ترک کر دو مگر وہ نہ مانے۔ جب انہوں نے بار بار کہا تو اس خیال کے ماتحت کہ کہیں یہ محلّہ والوں سے مل کر ہمیں روکنے کا تہیّہ نہ کر لیں انہوں نے شاہی پہرہ داروں کا انتظام کر لیا۔ جب اس بزرگ کو اطلاع ملی تو انہوں نے کہا اچھا! اُنہوں نے اپنی حفاظت کیلئے فوج بُلا لی ہے تو ہم بھی رات کے تیروں سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کے دلوں میں ابھی کچھ نیکی باقی تھی جونہی ان کے کان میں یہ آواز پڑی کہ ہم رات کے تیروں سے مقابلہ کریں گے، وہ دَوڑتے ہوئے اُس بزرگ کے پاس آئے اور کہنے لگے اِن تیروں کے مقابلہ کی ہم میں طاقت

نہیں ہم اپنے شغل سے باز آئے۔ **پس دعا ایسا ہتھیار ہے کہ اگر کوئی کامل یقین اور پختہ ارادہ کے ساتھ اس سے کام لیتا ہے تو اس کے مقابلہ میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔**

میں نے جماعت کو توجہ دلائی تھی کہ آپ لوگوں میں سے بعض امراء ہیں وہ مالی لحاظ سے تحریک جدید میں زیادہ حصہ لیں گے، بعض اہلِ علم ہیں وہ تبلیغی لحاظ سے تحریک جدید میں زیادہ حصہ لیں گے، بعض اہل حرفہ ہیں وہ مثلاً غیر ممالک میں نکل جانے کے لحاظ سے تحریک جدید میں زیادہ حصہ لیں گے، بعض بچوں والے ہیں وہ تحریک جدید کے بورڈنگ والی تحریک میں زیادہ حصہ لیں گے مگر کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو نہ اپنے پاس مال رکھتے ہوں گے، نہ دولت، نہ علم، نہ حرفہ، نہ فن۔ وہ دل میں کڑھتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے ہمارا اس ثواب میں کیا حصہ ہے اور خدا تعالیٰ کی اس آواز پر لبیک کہنے والوں میں ہم کیونکر شامل ہوں؟ میں نے بتایا تھا کہ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کا بھی اس تحریک میں حصہ رکھا ہے جو دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ دُعا کریں کہ اس جنگ میں جو آج ہمیں دوسروں سے درپیش ہے خدا تعالیٰ ہمیں فتح دے اور مقابلہ کرنے والے دشمنوں کو ذلیل اور رُسوا کرے۔ اس عمل کے نتیجہ میں وہ ان لوگوں کے پیچھے نہیں رہتے جو مال رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کر رہے ہیں، جو طاقت رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں طاقت خرچ کر رہے ہیں، جو فن رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی فنی خدمات پیش کر رہے ہیں اور گو دنیا کی نگاہوں میں یہ دعائیں ہیچ نظر آتی ہوں اور اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ محض زبانی دعائیں ہیچ ہی ہوتی ہیں لیکن پگھلے ہوئے دل کی دعا ہیچ نہیں ہوتی بلکہ وہ بہت بڑی قیمت رکھتی ہے۔ دعا کیا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ وہ اِس قسم کا سوال ہے جس کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا

یعنی سوال کرنا موت ہے اور مانگنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے آقا کے دروازہ پر مر جائے تب اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ دعا جو خدا تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے، وہ دعا جو اس کی رحمت کو کھینچ لاتی ہے وہ مضطر والی دعا ہے، وہ دعا ہے جو دل کا خون کر دیتی ہے اگر وہ دل کا خون کسی شیشی میں گرایا جا سکے یا کسی کٹوری میں جمع کیا جا سکے تو بتاؤ وہ لوگ زیادہ قابلِ قدر سمجھے

جائیں گے جو سونا چاندی اور پیتل خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں یا وہ زیادہ قابل قدر سمجھا جائے گا جس نے اپنے دل کا خون خدا تعالیٰ کے آگے پیش کر دیا۔ بے شک دنیا کے لوگ اس دل کے خون کی قدر نہیں کرتے کیونکہ انہیں وہ خون نظر نہیں آتا انہیں صرف سونا چاندی اور اس کے سِکّے دکھائی دیتے ہیں لیکن ہمارا خدا وہ ہے جو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ گو اُس کے ایک بندہ کے پاس سونا چاندی نہیں مگر دین کے غم میں اُس کا دل خون ہو رہا ہے اور یہ ہمارے پاس خونِ دل کا ہدیہ لے کر آیا ہے جس کے مقابلہ میں سونے اور چاندی کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک مال دار کے سونے اور چاندی کے سِکّوں کی اور ایک طاقتور کی حالت اور قوت کی بھی وہ اس وقت قربانی قبول کرتا ہے جب ان پر دل کے خون کی پالش ہو ورنہ وہ اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ پس ایک مالدار کی قربانی اور ایک طاقتور جسم رکھنے والے کی قربانی بھی اُسی وقت الٰہی دربار میں قبول ہوسکتی ہے جب اُس پر دل کے خون کے قطرے پڑے ہوئے ہوں ورنہ وہ قربانی اُس کے منہ پر ماری جاتی ہے اور کہا جاتا ہے وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ۔

پس مت خیال کرو کہ دُعائیں معمولی چیز ہیں، مت خیال کرو کہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے قربانی کا موقع نہیں ملا۔ تمہارے نیک ارادے اور تمہارے دل کی قربانی جب کہ تم دوسری قربانیوں میں حصہ نہیں لے سکتے اور جبکہ تم عاجزانہ اور مسکینانہ طور پر خدا تعالیٰ کے حضور گر گر کر سلسلہ کی ترقیات کیلئے دعائیں کرتے ہو، دوسروں کی قربانی سے کم نہیں بلکہ بسا اوقات اُن سے بڑھ سکتی ہے کیونکہ یہ صرف قربانی ہی نہیں بلکہ ایک درد اپنے اندر رکھتی ہے۔ جو انسان اپنے پاس مال نہیں رکھتا، طاقت نہیں رکھتا، فن نہیں رکھتا، علم نہیں رکھتا اور دل کی قربانی پیش کرتا ہے اس کی قربانی کے ساتھ درد بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ دوسروں کے پاس بہت کچھ ہے مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں جو مَیں پیش کروں تو اُس کا دل جو عشق کی چوٹ کھایا ہؤا ہوتا ہے درد اور غم سے پگھل جاتا ہے۔ پس وہ درد والی قربانی ہے اور درد والی قربانی کا وہ قربانی مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے ساتھ درد نہیں۔ اگر ایک مجلس میں ایک امیر آدمی خدمت دین کیلئے ایک کروڑ روپیہ پیش کر دیتا ہے تو تم اُس مجلس میں نم دار آنکھیں نہیں دیکھو گے۔ بے شک نعرے لگانے والے دیکھو گے، شاباش اور مَرْحَبًا کی آوازیں لگانے والے دیکھو گے مگر کوئی نم دار آنکھ اس مجلس میں اِس وجہ سے

نہیں دیکھو گے کہ اُس نے ایک کروڑ روپیہ پیش کر دیا۔ لیکن ایک غریب بُڑھیا جس کی آمد کا کوئی ذریعہ نہیں، جسے فاقے پیش آتے ہیں اور جس کے متعلق تمہیں معلوم ہے کہ شاید اب بھی اسے فاقہ ہے اس نے اگر رات کو باوجود بیماری اور کمزوری کے سُوت کاتا اور پھر بازار میں اسے بیچ کر ایک پیسہ لائی اور وہ پیسہ اُس نے خدمتِ دین کیلئے مجلس میں پیش کر دیا تو گو وہاں نعرے پیدا نہ ہوں لیکن بیسیوں آنکھوں میں، اُن آنکھوں میں جو روحانیت نما چیزوں کو دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں تم آنسو دیکھ لو گے کیونکہ یہ وہ قربانی ہے جس کے ساتھ درد شامل ہے۔ اگر اِس قسم کی قربانی ایک انسان کے دل میں جو سچی قدردانی کی طاقت نہیں رکھتا درد پیدا کر سکتی ہے تو سمجھ لو کہ اُس عالم الغیب خدا کے حضور میں وہ کس قدر مقبول ہوگی جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ یقیناً ہمارا خدا اُسے اپنی گود میں بٹھالے گا اور اس کے غمزدہ دل کو تسلی دے گا اور کہے گا مت سمجھ کہ تیری قربانی حقیر ہے مَیں ہوں جس نے قربانی قبول کرنی ہے اور میں تیری قربانی کو دوسروں کی قربانی پر ترجیح دیتا ہوں۔

پس تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تمہارے ربّ نے تمہیں اپنی دین کی خدمات سے محروم نہیں رکھا۔ ہر شخص جو تم میں سے کتنا ہی معذور نہ ہو ایک اتنی قیمتی چیز اپنے پاس رکھتا ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کے ہیرے اور جواہرات بھی ماند ہیں۔ پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اِس قیمتی قربانی کو خداتعالیٰ کے حضور پیش کرو۔ ہمارا خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ [8]۔ تم مقام بِرّ حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز خداتعالیٰ کے حضور پیش نہ کرو۔ تم روپیہ سے زیادہ اپنے دل کو قیمتی سمجھتے ہو یا نہیں؟ پس اس کو اپنے ربّ کے آگے پیش کرو اور یاد رکھو اس سے دین کی مدد جس رنگ میں ہوگی وہ سونے اور چاندی کے سِکّوں سے نہیں ہو سکتی۔

پچھلے سال مَیں نے اِسی دعا کی تحریک کو زیادہ مضبوط بنانے کیلئے بعض ہفتے مقرر کر دیئے تھے اور روزے رکھنے کی تاکید کی تھی۔ تم میں سے کسی کو نظر آیا ہو یا نہ آیا ہو لیکن جن لوگوں کو خداتعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ خداتعالیٰ نے انہیں دعاؤں کے نتیجہ میں عظیم الشان تغیرات پیدا کئے۔ تمہیں شاید نظر نہ آتا ہو مگر میں تو دیکھ رہا ہوں کہ اٹلی اور ایبے سینیا کی جنگ بھی انہی دعاؤں کے نتیجہ میں ہوئی ہے، جاپان کے فسادات بھی انہی دعاؤں کے نتیجہ میں ہیں اور کوئٹہ کا زلزلہ بھی انہی دعاؤں کے نتیجہ میں آیا ہے۔ اب پھر تم خداتعالیٰ کے حضور سچی دعائیں کر کے دیکھ لو

سلسلہ کے دشمن بالکل پاش پاش ہو جائیں گے خواہ وہ حکومت کے کل پُرزے ہوں اور خواہ میجارٹی اور اکثریت کے نمائندہ ہوں کیونکہ ہمارے خدا کے سامنے نہ حکومتیں کوئی حیثیت رکھتی ہیں نہ اکثریت کی نمائندگی کوئی حیثیت رکھتی ہے۔

پس میں آپ تحریک جدید کے اُنیسویں مطالبہ کو پھر پیش کرتا ہوں اور جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ابھی وہ دن نہیں آئے کہ تم دشمن کے حملوں سے غافل ہو جاؤ اور دعاؤں کی طرف سے نظر ہٹا لو۔ بے شک خدا تعالیٰ نے اس عرصہ میں بڑے بڑے نشان دکھائے ہیں مگر مخالفوں نے ان کی قدر نہیں کی کیونکہ نشان دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ بعض نشان معمولی ہوتے ہیں اور بعض پُر ہیبت اور پُر جلال۔ جس طرح چاند پہلے ہلال کی شکل میں ہوتا ہے اور پھر قمر اور پھر بدر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اسی طرح بعض نشان ہلال سے مشابہہ ہوتے ہیں بعض قمر سے اور بعض بدر سے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے چونکہ روحانی آنکھیں دی ہوئی ہیں اس لئے ہم نے ان نشانوں کو بھی دیکھا جو ابھی ہلال کی صورت میں ہیں لیکن دشمنوں نے ان نشانوں کو نہیں دیکھا کیونکہ ان نشانوں نے ہلال سے قمر کی صورت اختیار نہیں کی۔ پس دشمن ابھی تک اپنی شرارت سے باز نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ نے شہید گنج کا مسئلہ بھی پیدا کیا اور احرار کی مسلمان دشمنی کے پردہ کو بالکل کھول کر رکھ دیا۔ خدا تعالیٰ نے حکومت کے بعض اُن کل پُرزوں کو بھی سبق دیئے جنہوں نے بلا وجہ احمدیہ جماعت کی تحقیر اور تذلیل اور اسے تکالیف میں مبتلاء کرنے کا شیوہ اختیار کیا ہوا تھا اور بعض کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ انہیں آئندہ سبق مل جائے گا لیکن اب تک اصل حکومت نے ہماری شکایات کا کوئی ازالہ نہیں کیا اور نہ اشک شوئی کی کوئی کوشش کی ہے۔ سلسلہ کی ہتک اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلے جاری تھی۔ گو بعض امور میں اصلاح بھی نظر آتی ہے اور میں اپنے خطبات میں ان کا ذکر کر چکا ہوں لیکن بعض امور میں نئی شرارتیں کی جا رہی ہیں۔ جیسے ڈاکخانہ کا رویہ ہے یا قانونی رنگ میں ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنہ وفساد کی روح کی اصلاح نہیں ہوئی۔ روح سے میری مراد آدمی نہیں بلکہ وہ جذبات ہیں جو بعض لوگوں کو ہماری جماعت کی مخالفت کیلئے اُکساتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ روح ابھی تک مری نہیں گو ظاہری حالات میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی ہے۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم سلسلہ کی عظمت اور اس کی مشکلات کے ازالہ کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے چلے جائیں اور اس سے کہیں کہ اے خدا! اس کمزوری میں تُو نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم بے شک کمزور ہیں، ناتواں ہیں، ناطاقت اور خطا کار ہیں لیکن ہم تیرے بندے ہیں۔ تیرا حق ہے کہ جو چاہے ہم سے سلوک کرے مگر تیرے بندے جو قانون کو توڑتے ہوئے ہم پر ظلم کر رہے ہیں اُن کا حق نہیں کہ وہ ہمیں اپنے ستم کا نشانہ بنائیں۔ ہم پر جس رنگ میں مظالم ہو رہے ہیں تُو انہیں جانتا ہے۔ بعض جگہ تُو نے جواب دینے سے ہمیں روک رکھا ہے اور بعض جگہ بے طاقت بنا دیا ہے ایسی حالت میں سوائے اس کے ہم کیا کر سکتے ہیں کہ تیرے حضور التجاء کریں کہ ہم پر مظالم کرنے والے اور سلسلہ احمدیہ کو دنیا کی نگاہوں میں ذلیل اور حقیر کرنے والے خواہ حُکّام کے زمرہ میں شامل ہوں خواہ رعایا میں تُو خود ان کا ہاتھ پکڑ اور ہمیں ان کے شر سے بچا۔ ہم اپنی عزت نہیں چاہتے کیونکہ جب بھی کوئی خدا تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے وہ اپنی عزت کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے ہمیں اپنی شوکت سے غرض نہیں کہ ہم تیرے دین کی خدمت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ہمیں اپنی وجاہت سے غرض نہیں، اپنے وقار سے غرض نہیں مگر ایک چیز ہے جو ہم چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ انجام تک پہنچ جائے۔ ہماری خواہش ہے تو یہ، ہمارا ارادہ ہے تو یہ، ہماری اُمنگ ہے تو یہ، ہمارا مقصود ہے تو یہ، ہمارا مطلوب ہے تو یہ کہ ہم چاہتے ہیں پھر دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہو، پھر دنیا میں قرآن مجید کی حکومت ہو، پھر دنیا میں ہمارے ربّ کی حکومت ہو، اِس خدمت کے بدلہ میں اگر ہمیں کچھ شُہرت ملتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کا انعام ہے۔ ہم اس کے متلاشی نہیں نہ ہم اس کے سائل ہیں ہماری صرف ایک ہی غرض ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا جلال دنیا میں قائم ہو۔ پس اگر کوئی اِس رستہ میں روک بنتا ہے تو ہماری دعا ہے کہ اے خدایا! تُو اسے ہدایت دے یا اسے ہمارے رستہ سے ہٹا دے۔

یاد رکھو! اگر تم سچے دل سے دعائیں کرو تو دنیا میں اتنے عظیم الشان تغیرات ہوں گے کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ تم نے گزشتہ سال کو دیکھا کہ اس میں خدا تعالیٰ کے کتنے عظیم الشان نشانات جمع ہو گئے۔ کوئٹہ کا زلزلہ، شہید گنج کا واقعہ، اٹلی اور ایبے سینیا کی لڑائی، جاپان، چین اور روس کے جھگڑے یہ سب گزشتہ سال کی دعاؤں کا نتیجہ تھے۔ بے شک ان میں سے بعض کے متعلق حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں تھیں اور بعض خدا تعالیٰ کی تجلیٔ قدرت کے ماتحت ظاہر ہوئے۔ اور بے شک لوگ کہتے ہیں کہ کوئٹہ کی زمین میں لاکھوں برس پہلے زلزلہ کی تیاری شروع ہوگئی تھی پھر وہ تمہارے لئے کیونکر نشان بن گیا۔ مگر وہ نادان نہیں جانتے کہ کیا وہ خدا جس نے کروڑوں سال پہلے کوئٹہ میں زلزلہ پیدا کرنے کے سامان پیدا کئے تھے اُسے یہ علم نہ تھا کہ اس وقت میرے بعض بندے ظالموں سے رہائی حاصل کرنے کیلئے دعائیں کر رہے ہوں گے؟ جس خدا نے کوئٹہ میں زلزلہ کی تیاری لاکھوں کروڑوں سال پہلے کی تھی اُسے اُس وقت یہ بھی علم تھا کہ اس زمانہ میں میرے بندوں پر ظلم ہوگا، میرے مسیح موعود کو اپنی صداقت کیلئے آسمانی نشانوں کی ضرورت ہوگی۔ پس اُس نے کروڑوں سال پہلے اِن ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے یہ تغیرات مخفی کر دیئے۔ آخر خدا تعالیٰ نے جن دعاؤں کو قبول کرنا ہوتا ہے تو وہ ان کیلئے سامان بھی مہیا کر دیتا ہے۔ جو گورنمنٹیں لوگوں کو انعامات دینا چاہیں وہ پہلے سے اپنے بجٹ میں انعامات کی گنجائش رکھا کرتی ہیں۔ مگر کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جسے حکومت انعام دے تو وہ کہے یہ انعام نہیں کیونکہ بجٹ میں حکومت نے پہلے سے اس کیلئے گنجائش رکھی ہوئی تھی بلکہ وہ اسے انعام ہی سمجھے گا۔ یہی حال تقدیروں کا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی ایک عرصہ سے مقدر کر رکھا تھا کہ کوئٹہ میں زلزلہ آئے لیکن یہ امر بھی وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ اس وقت بعض بندے مجھ سے دعا کریں گے اور میں لوگوں کو اپنے قہر کا نشان دکھانے کیلئے یہ زلزلہ بھیجوں گا۔ پس اگر اب بھی حقیقی طور پر دعائیں کی جائیں تو پہلے سال سے بھی زیادہ شاندار نتائج دیکھ سکتے ہو۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ تم استقلال سے دعاؤں میں لگے رہو۔ وہ لوگ جو جذباتی باتوں سے متأثر ہو کر چند دن جوش دکھاتے اور پھر جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نہیں بلکہ اُس کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔

پس اپنے اندر بیداری اور ہوشیاری پیدا کرو، دوستوں کو ہوشیار اور بیدار کرو، اپنے ہمسائیوں کو ہوشیار اور بیدار کرو اور کسی کو سُست ہو کر بیٹھنے مت دو پھر تم دیکھو گے کہ دنیا میں کس قدر تغیرات ہوتے ہیں میں نے پچھلے سال کچھ روزے مقرر کئے تھے اور اس سال بھی میرا ارادہ ہے کہ بعض روزے مقرر کروں مگر آج میں ان کا اعلان نہیں کرتا یہ اعلان پھر کروں گا۔ آج صرف یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خصوصیت سے دعاؤں میں لگ جاؤ اور بِالخصوص یہ دعا کرو کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا

نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اوررَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ ۔اِس کے علاوہ اور بھی دعائیں اپنی زبان میں کرو جنہیں دلی جوش کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرسکو۔اس تعلیم پر عمل کر کے دیکھ لو تم محسوس کرو گے کہ تم اکیلے نہیں اور نہ دنیا کی نگاہوں میں یتیم ہو کیونکہ ہمارا خدا ہمارا روحانی باپ ہے اور جو بندے اس زندہ اورحی و قیوم خدا کے بیٹوں کی مانند پیارے ہوں وہ یتیم نہیں ہوتے اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ زندہ رہنے والا خدا ہے۔یتیم وہ تب ہوں جب خدا مرے لیکن جب خدا کبھی مر نہیں سکتا تو وہ بھی کبھی یتیم نہیں ہو سکتے۔پس تمہارے لئے یُتْم کا ہونا ناممکن ہے۔تم مایوس مت ہو بلکہ تم اپنے زندہ خدا کے آستانہ پر گر جاؤ اور اس سے تضرّ ع اور عاجزی سے دعائیں مانگو تب تم دیکھو گے کہ وہ دیو جو غضبناک شکلیں بنا کر تمہیں ڈرا رہے ہیں اور تمہیں اِس وقت خوفناک صورتوں میں نظر آ رہے ہیں وہ دُھواں بن کر اُڑ جائیں گے اور ان کا نام ونشان تک دنیا میں نہیں رہے گا۔

(الفضل ۱۷؍مارچ ۱۹۳۶ء)

۱؎ بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل

۲؎ بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی ﷺ الحجر

۳؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی (الخ)

۴؎ اَلْمَاعُوْن: ۵　　۵؎ المؤمن:۲۹

۶؎ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّابِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (البقرة:۹)

۷؎ النمل: ۶۳　　۸؎ آل عمران: ۹۳